اسلامی اور مغربی تصورِ قانون کا تقابلی جائزہ

جناب پروفیسر طاہر القادری صاحب

موضوع زیرِ غور پر باقاعدہ گفتگو سے پہلے چند ضروری امور ذہن نشین کر لئے جائیں کہ جدید مغربی اصطلاح میں جس اساسی ضابطے کو قانون (LAW) کہا جاتا ہے۔ اسے فقہ اسلامی کی اصطلاح میں (حکم) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس فن کو مغربی اصطلاح میں "علمِ قانون" Legal Science کہا جاتا ہے۔ اسے اسلامی اصطلاح میں "علم الاحکام" یا "الفقہ" (AL-FIQH) کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض علماء و مصنفین نے غلطی سے قانون (LAW) کا ترجمہ عربی اصطلاح کے مطابق فقہ کر دیا ہے۔ حالانکہ فقہ FIQH خود حکم (LAW) نہیں۔ بلکہ "احکام شریعہ کا علم" (Science of Islamic Laws) ہے اسی طرح مغربی اصطلاح میں جس فن کو اصول قانون (JURIS PRUDENCE) کہتے ہیں۔ اسے فقہ اسلامی کی اصطلاح میں "اصول الفقہ" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مزید برآں بعض لوگوں نے غلطی سے اسلامی قانون اور شریعت کو عین یکد گر قرار دے دیا ہے۔ حالانکہ شریعت "کل" ہے اور اسلامی قانون اس کا جزء۔ شریعت میں عقائد و نظریات احکام و اعمال تزکیہ نفس اور تطہیر قلب کی تعلیمات جنہیں تصوف اور روحانیت کہتے ہیں۔ سب کچھ شامل ہے۔ مگر قانون حکم اور فقہ شریعت کے صرف

ں حصہ سے متعلق ہیں۔ جو" انسانی زندگی کے لئے ظاہری ضابطۂ عمل" مہیا کرتا ہے۔
سے عقائد و تصوف یا دیگر شرعی موضوعات سے کوئی سروکار نہیں حالانکہ وہ سب
ریعت کے دامن میں موجود ہیں۔ اب رہ گیا لفظ قانون (QANUN) تو یہ
نظ درحقیقت فقہ اسلامی کی اصل اصطلاح میں احکام شریعہ کے بجائے ان عملی
ر غیر دینی ضوابط و قواعد پر استعمال ہوتا ہے۔ جو قرآن و سنت یا اجماع قطعی سے
خوذ نہیں ہوتے۔ بلکہ انہیں "اولی الامر" کے تصور اختیار کے تحت معاشرے اور
نراد کی عمومی بہبود کی خاطر ریاست یا اس کے دیگر قانون ساز ادارے تشکیل
یتے ہیں۔ مثلاً ٹریفک کے قوانین، ملازمت کے قوانین، تعمیرات کے قوانین
۔غیرہ۔ اس لئے اسلامی اصطلاح میں حکم (LAW) اور قانون (QANUN)
ں فرق کیا جاتا ہے۔ جبکہ مغربی نظام قانون میں مذکورہ بالا "تصور حکم" سرے
سے موجود ہی نہیں ہے۔ وہاں صرف "قانون" کا تصور ہے۔ حالانکہ ہمارے ہاں
اخذ اور نوعیت کے لحاظ سے حکم اور قانون دونوں تصورات پائے جاتے ہیں۔
س لئے عصر حاضر کے مسلم علماء نے تقابل اور سہولت کی خاطر مطلقاً قانون کی بجائے
اسلامی قانون" کی اصطلاح استعمال کر کے اس کا دائرہ "حکم اور قانون" دونوں پہ
محیط کر دیا ہے۔ اور یہ عرف عام میں "فقہ" کا بدل سمجھا جانے لگا ہے۔ بنا بریں
ب ہم موضوع متذکرہ پر گفتگو کریں گے۔ تو اسلامی فقہ کے تناظر میں "قانون" یا
" اسلامی قانون" کا لفظ اس کے مخصوص اصطلاحی معنی کے بجائے وسیع اور
متداول معنی میں استعمال کریں گے۔ تاکہ قارئین کو کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا
پڑے۔

ہم نے موضوع کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

۱۔ مغربی تصورِ قانون (Western Concept of Law)

۲۔ اسلامی تصورِ قانون (Islami Concept of Law)

۳۔ اسلامی اور مغربی تصورِ قانون کا تقابلی جائزہ (Comparative Study of Islamic and Western Concepts of Law)

چونکہ تیسرے حصے، موضوع کو سمجھنے کے لئے پہلے دو حصے نہایت ضروری ہیں جو موضوع کے مقدمات کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم اپنے بیان کا آغاز "مغربی تصورِ قانون" سے کرتے ہیں۔

مغربی تصوّرِ قانون

مغربی تصورِ قانون کی نوعیت اور ماہیت پر روشنی ڈالنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قانون کے بارے میں مغربی مفکرین کا عمومی نقطۂ نظر معلوم کر لیا جائے مغربی نظام قانون کے ماخذ اور مغربی اساطین کی علمی کاوشوں کے مطالعہ سے یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ ان کے ہاں ابھی تک یہ امر بھی متفقہ طور پر طے نہیں پا سکا کہ "قانون کیا چیز ہے" قانون کی تعریف کے سلسلے میں مغربی مفکرین میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہر ایک نے قانون کی ایک الگ تعریف بیان کی ہے جو دوسری تعریفات سے مختلف ہے۔

۱۔ تیسری صدی عیسوی میں سینٹ تھامس (ST. THOMUS) کے اعلامیئے سے مغرب میں قانون کی تعریف کا تصور آغاز پذیر ہوا جس میں وہ کہتا ہے:

"Law is an ordinance of reason for the common good pro-mulgated by him who has care of the community" 1

عام بہبود کے لئے عقل پر مبنی اس ضابطے کو قانون کہتے ہیں۔ جو عوام کی بہتری کے ذمہ دار شخص کی طرف سے نافذ کیا جاتا ہے"

۲۔ تھامس "THOMAS" کے نقطۂ نظر کا کیتھولک مکتبِ فکر پر گہرا اثر پایا جاتا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس مکتبِ فکر کی ایک حالیہ اشاعت میں اس نقطۂ نظر کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس میں مذکور ہے کہ :

"The Law is a regulation in accordance with reason promulgated by the head of community for the sake of the common welfare"2

قانون مفادِ عامہ کے لئے سربراہ معاشرہ کی طرف سے نافذ کردہ وہ ضابطہ ہے جو معقولاتی میزان پر پورا اُترتا ہو۔

۳۔ مذکورہ بالا نقطۂ نظر کی رُو سے قانون کی صداقت کا مدار عقلی توجیہ پر ہے لیکن یہ جنم سربراہ معاشرہ کے حکم سے لیتا ہے کسی اور کی رائے سے نہیں۔ اسی میں مزید یہ بیان کیا گیا ہے :

"The Laws are the moral norms of action, binding in conscience, set up for a self-Governing commuinty"3

قانون انسانی افعال و اعمال کے لئے ان اخلاقی ضابطوں سے عبارت ہے جو انسان کے اندر شعوری سطح پر لازماً کارفرما ہوتے ہیں اور انہیں ایک خودمختار معاشرے کے لئے مرتب کیا جاتا ہے۔

اس تعریف کی رو سے قانون کی صداقت کی بنیاد اخلاقیات پر ہے

لیکن یہ حجۃ کہاں سے لیتا ہے۔ اس کا تخصیص کے ساتھ کہیں ذکر موجود نہیں ہے۔

۴۔ رچرڈ ہوکر (RICHARD HOOKER) کے خیال میں

"That which reason in such sort defines to be good that it must be done"[4]

قانون وہ ضابطہ ہے جسے عقل و شعور بہتر سمجھے اور اس کے کرنے کی تلقین کرے۔ یہ تعریف جیسا کہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہے، مبہم اور غیر واضح ہے۔

۵۔ کانٹ (IMMANUEL KANT) کہتا ہے:

"Law is the sum-total of the conditions under which the personal wishes of one man can be reconciled with the personal wishes of another man, in accordance with a general law of freedom"[5]

قانون ان شرائط کا مجموعہ ہے جن کے تحت عمومی قانون آزادی کی مطابقت میں ایک فرد کی ذاتی خواہشات کی دوسرے فرد کی ذاتی خواہشات کے ساتھ تطبیق کی جا سکتی ہے۔

یہ تعریف بھی محض ایک نظری اور فلسفیانہ تصور پر مشتمل ہے جس کی عملی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے۔

۶۔ انیسویں صدی کا ایک نامور قانون دان سوگنی (SAVIGNY) قانون کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

"The rule whereby the invisible border line is fixed within which the being and the activity of each individual obtains a secure and free space"[6]

قانون ایک غیر مرئی حد بندی کا وہ ضابطہ ہے جس کے اندر انسان کی شخصیت اور اس کی سرگرمیاں ایک آزاد اور محفوظ فضا سے ہمکنار رہتی ہیں"۔

کانٹ (KANT) اور سیوگنی (SAVIGNY) دونوں نے قانون کی تعریف بیان کرنے کی بجائے قانون کا وظیفہ اور اس کا مقصد بیان کیا ہے۔ وہ اصل قانون اور مقصدِ قانون کے درمیان فرق و امتیاز کو نہیں سمجھ سکے۔

سیوگنی (SAVIGNY) کے حامیوں نے عمرانی تصورِ قانون کا نظریہ پیش کیا ہے : NG… ERL… اس نقطۂ نظر کے مؤیدین میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اُن کے نقطۂ نظر کے مطابق قانون معاشرے کی اجتماعی سوچ کا نام ہے۔ معاشرتی رسوم اور روایات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یہ مفکرین قانون، آخذ قانون اور اُس کی قوت نافذہ کے درمیان فرق ملحوظ نہیں رکھ سکے۔

۷۔ قدیم برطانوی قانون دان بلیک سٹون (BLACK STONE) کے مطابق:

A rule of action applied indiscriminately to all kind of action whether animate or inanimate rational or irrational.

"قانون اپنے عمومی اور جامع تناظر میں وہ ضابطۂ عمل ہے جس کا اطلاق بلا تخصیص ہر طرح کے افعال پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ افعال کسی ذی رُوح سے

تعلق رکھیں یا غیر ذی روح سے خواہ معقول ہوں یا غیر معقول۔
قانون کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ:

"Law is a rule of action which is prescribed by some supperior and which the inferior is bound to obey"[7]

قانون وہ ضابطۂ عمل ہے جو کسی بالا دست طاقت کی طرف سے ماتحت
پر بغرض اطاعت لاگو کیا جاتا ہے۔

یہ تصور قانون (KANT) اور (SAVIGNY) کے پیش کردہ
تصورات سے یکسر مختلف اور متصادم ہے۔

۸۔ جان آسٹن (JOHN AUSTIN) قانون کی تعریف ان الفاظ میں
کرتا ہے:

"A rule laid down for the guidance of an intelligent being by another intelligent being having power over him"[8].

قانون وہ ضابطۂ عمل ہے جو ایک ذی شعور بالا دست ہستی کی طرف سے
دوسری ذی شعور ماتحت ہستی کی رہنمائی کے لئے مہیا کیا جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون وہ ضابطۂ عمل ہے جو حکمرانوں کی جانب
سے رعایا کے لئے مہیا کیا جاتا ہے۔

۹۔ ہالینڈ (HOLLAND) کے مطابق:

THE L/"S ARE PROPORTIONS COMMANDING THE DOING OF OR ABSTENTION FROM CERTAIN CLASSES OF ACTION, DISOBEDIENCE TO WHICH IS FOLLOWED BY SOME SORT OF PENALTY OR INCONVENIENCE"۹

"قانون بعض امور کے کرنے اور بعض کے ارتکاب سے مجتنب رہنے سے متعلق ضوابط کا نام ہے جس کی خلاف ورزی سزا یا کسی بھی نوعیت کی عسرت پر منتج ہوتی ہے۔"

۱۰۔ ہالینڈ (HOLLAND) ایک اور مقام پر آسٹن (AUSTIN) سے ذرا اختلاف کرتے ہوئے کہتا ہے:

Law is formulated and armed public opinion, or the opinion of the ruling body"[10]

"قانون منظم رائے عامہ یا ہیئت حاکمہ کی رائے کا نام ہے۔"

۱۱۔ سر فریڈرک پولاک Sir Fedrick Polloc قانون کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

"As a rule of conduct binding on members of a commonwealth"[11]

"قانون دولت مشترکہ کے لئے قابل پابندی ضابطۂ عمل کا نام ہے۔ ہالینڈ (HOLLAND) اور پولاک (POLOK) کی وضع کردہ تعریفات قانون کے ماخوذ اور قوتِ نافذہ کے بارے میں خاموش ہیں۔ لہٰذا یہ نامکمل اور نا تمام ہونے کے ساتھ دیگر دانشوروں کے بیان کردہ

تصورات سے بھی متصادم ہیں۔

۱۲ سڈنی ہارٹ لینڈ (SIDNEY HARTLAND) اس سلسلے میں کہتا ہے:

"Law is a set of rules imposed and enforced by a society for the conduct of social and political relations"[12]

"قانون ایک ایسا مجموعہ ضوابط ہے جو سوسائٹی کی طرف سے معاشرتی اور سیاسی تعلقات کو مربوط کرنے کے لئے نافذ کیا جاتا ہے۔"

اس تعریف کی بنیاد پر بھی ہم قانون کے بارے میں قوتِ نافذہ کے معیار کو اطمینان بخش قرار نہیں دے سکتے۔

۱۳۔ پروفیسر جی۔ سی۔ لی (PROFESSOR, G.C. Lee) کہتا ہے:

"Law is that body of customs, enforced by the community, by means of which man's gross passions are controlled and his conduct towards his fellow-creatures regulated"[13]

"قانون معاشرے کی طرف سے نافذ کردہ رسوم و روایات کا وہ مجموعہ ہے جس کے ذریعے انسان کے سفلی جذبات کو قابو میں کیا جاتا ہے۔ اور انسان کے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ رویئے کو مربوط کیا جاتا ہے۔"

پروفیسر موصوف کی نظر محض رسوم ہی کی حد تک محدود ہو کر رہ گئی ہے یہ تعریف ان قوانین کا احاطہ نہیں کرتی جو قانون سازی کے ذریعے وجود میں آتے ہیں۔

یہ تصور بھی محدود ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر مغربی مفکرین کے دیے گئے تصورات قانون سے متصادم ہے۔

۱۱۔ سالمنڈ (SALMOND) کے نقطۂ نظر کے مطابق:

"Law is defined as the body of principles recognised and applie by the state in the administration of justice"[14]

"قیام عدل کے لئے ریاست کی طرف سے مسلّم اور نافذ شدہ اصولوں کے مجموعے کو قانون کہتے ہیں۔"

اگر سالمنڈ کے بیان کردہ معیار ہی کو تسلیم کر لیا جائے جس کی رُو سے قانون کی تدوین و ترتیب محض ریاستی ایماء کی مرہونِ منت قرار پاتی ہے۔ تو پھر حکمران طبقے کے مزعومہ مفادات بھی قانون کا درجہ پائیں گے۔

یہ مغربی سرمایہ قانون سے لئے گئے چند اقتباسات تھے جو صدیوں سے قانون کی ماہیت کے بارے میں کی گئی کاوشوں کا ماحصل ہیں۔

تصوّرات کا اختلاف (DIVERSITY OF CONCEPTS)

رابسن (ROBSON. W.A.) اس صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتا ہے قانون کی ماہیت کے بارے میں ہمارے علماء میں حد درجہ اختلاف پایا جاتا ہے ان کے پیش کردہ تصورات میں ہم آہنگی مفقود ہے جس کی وجہ بلاشبہ اس پیچیدہ سوال کا واحد جواب مہیا کرنے کی خواہش

کا کارفرما ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر قانون کے ماخذ کو تلاش کرتے ہوئے وہ اس حقیقت کو ان الفاظ میں تسلیم کرتا ہے۔

"It is difficult to define law in a satisfactory manner, it is still harder to find the beginnings of it. The origins of law are shrouded in obscurity and are, perhaps, impossible to discover"[16]

"اگر قانون کی اطمینان بخش تعریف مشکل ہے تو اس کے آغاز کی بابت کچھ لینا مشکل تر ہے۔" قانون کے ابتدائیات ابہام کے دبیز پردوں میں چھپے ہوئے ہیں جنہیں منصۂ شہود پر لانا شاید ناممکن ہے۔

"علماء مغرب تاحال تصورِ قانون کی بابت کوئی متفقہ اور قبول عام نقطۂ نظر پیش نہیں کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف فطرتِ انسانی اور انسانی زندگی کی کلیت (TOTALITY) سے متعلق جامع معلومات نہیں رکھتے بلکہ اُن کے پاس انسانی اقدار کے ردّ و قبول کے لئے کوئی باقاعدہ نظام یا معیار بھی موجود نہیں ہے۔

صاف ظاہر ہے فطرتِ انسانی کے باطنی اور بالفعل تقاضوں سے ناسازگار اور مسخ شدہ تصوّر کی بنیاد پر ایک غیر متبدل اور دائمی تصوّرِ قانون اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

یہ تمام تر کاوشیں اقدام و خطا (TRIAL AND ERROR) کی سمت میں ہوئی ہیں۔ اگر ان لوگوں نے یہ کاوشیں غیر مسخ شدہ الہامی ہدایت کی

روشنی میں کی ہوتیں تو اُن کی تحقیق و تدقیق کے نتائج یقیناً مختلف ہوتے۔

ان کا ادراک ناقص اور تصورات سطحی ہیں لہٰذا انہیں قانون کی تعریف وضع کرنے کے مسئلہ پر یقیناً تضادات کا شکار ہونا تھا۔ جدید مغربی معاشرے میں جہاں علم قانون محض دنیاوی (مادی) ذرائع سے ماخوذ ہے جو خود تغیر پذیر ہوتے ہیں تو یہ کیسے ممکن تھا کہ قانون کی تعریف وضع کرنے کا کوئی مستقل اور غیر متبدل معیار معرض وجود میں آجاتا۔

مغربی معاشرہ جب بھی اپنی اقدار کی نسبت نقطۂ نظر کی تبدیلی سے روشناس ہوتا ہے۔ تصورِ قانون بھی کلیتاً متزلزل ہو جاتا ہے۔ عدم استحکام کا یہ بحران اس وقت تک ختم نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ آفاقی عالمگیر اور غیر محرف قرآنی وحی کو بطور ذریعہ ماخذ اور معیار تسلیم نہیں کر لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن ان الفاظ میں بنی نوع انسان کو مخاطب کرتا ہے۔

افحکم الجاھلیۃ یبغون ط ومن احسن من اللہ حکماً لقوم یوقنون ○

"کیا یہ جاہلیت کے قوانین کی تلاش میں ہیں ؟ اور اللہ سے بڑھ کر یقین رکھنے والوں کے لئے اچھا قانون دینے والا کون ہو سکتا ہے۔

سیسرو (CICERO) اپنے دور کے ایک نابغہ روزگار مفکر کی رائے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

Law is neither contrived nor decreed by man; it is an eternal principle which rules the whole . Universe, commanding what is right and prohibiting what is wrong. Hence law is no mere artefact but is the divine reason bestowed by the gods on the human race[18].

قانون نہ انسان کا وضع کردہ ہے۔ نہ اس کا نافذ کردہ ہے۔ یہ ایک دائمی اصول ہے۔ جو پوری کائنات پر محیط ہے۔ جو راستی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ (امر بالمعروف نہی عن المنکر) لہٰذا قانون الہامی اصولوں کا وہ مجموعہ ہے جو دیوتاؤں کی طرف سے نسل انسانی کو عطا کیا جاتا ہے۔

یہ امتیاز صرف اسلامی نظام قانون کو حاصل ہے۔ جس کا اعتراف ایک مغربی سکالر بھی ان الفاظ میں کرنے پر مجبور ہوا ہے۔

In Islam, the most conspicuous fact about Muhammad (peace be upon him) is that he was not merely a divine prophet but also a temporal ruler who governed, judged, punished and legislated. After the great flight in A.D. 622 to madina, when Muhammad (peace by upon him) acquired political power he was sovereign as well as divine prophet, but only sovereign because of his prophetic office. The mosque was his council-chamber and hall of audience, the friday sermon his opportunity for declarations of policy and when he uttered his most far reaching injunctions he spoke as the very mouthpiece of the deity"[19]

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نمایاں ترین وصف یہ ہے کہ وہ محض ایک پیغامبر ہی نہ تھے بلکہ وہ ایک ایسے حکمران تھے۔ جو حکومت کی مسند انصاف پر متمکن ہوئے لوگوں کو (ان کے جرائم پر) سزائیں دیں۔ اور قانون سازی کی۔ ۶۲۲ء میں ہجرت مدینہ کے بعد جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سیاسی قوت حاصل ہو گئی۔ آپؐ منصب رسالت کے ساتھ ساتھ مقتدر اعلیٰ بھی تھے۔ لیکن آپؐ کا مقتدر اعلیٰ ہونا منصب رسالت کے ساتھ مختص تھا۔ مسجد آپ کی سرگرمیوں کا محور اور عوامی اجتماع کا مرکز تھی۔ خطبہ جمعہ آپ کی پالیسیوں کے اعلان ذریعہ ہوتا تھا۔ اور جب آپؐ کی زبان اقدس سے مختلف احکامات جاری ہوتے وہ بے مثال فہم و بصیرت آئینہ دار ہوتے تھے۔

مغربی قانون دانوں کے مابین پائے والے مذکورہ بالا اختلاف کے علاوہ تصور قانون کے بارے میں ایک اور اختلاف وجودیت اور مقصدیت کے حوالے سے بھی پایا جاتا ہے۔ جسے "POSITIVISM AND IDEALISM" کہتے ہیں۔

پہلا نقطۂ نظر اس امر سے بحث کرتا ہے کہ قانون اپنی موجودہ ہیئت میں کیا ہے؟ جبکہ دوسرا نقطۂ نظر قانون کیا ہونا چاہیئے؟ کے حوالے سے بحث کرتا ہے۔

جان آسٹن (JOHN AUSTIN) ہینز کیلسن (HANS KELSEN) اور راسکو پاؤنڈ (ROSCOE POUND) پہلے تصور قانون کے حامی و مؤید ہیں جبکہ GRAY SALMOND, LAUTERPAC FRIEDMAN, BRYCE

اس نقطۂ نظر کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ اور مقصدی تصور قانون کی حمایت کرتے ہیں۔

اس حقیقت کو مغربی اصول قانون کے تناظر میں یوں بخوبی اجاگر کیا جا سکتا ہے کہ مغربی تصور قانون وجودیت اور مقصدیت کے مابین بھی مطابقت پیدا کرنے میں ناکام رہا ہے۔

دونوں نقطہ ہائے نظر باہم متصادم متضاد اور محاذ آراء دکھائی دیتے ہیں۔
مقصدیت و معیاریت (POSITIVISM AND IDEALISM) جو کہ مغربی اصول قانون
کے مطالعے کا بنیادی موضوع ہے۔ قطعاً کسی واضح نصب العین کے تعین کے لئے
دائمی معیار پیش نہیں کر سکی۔
مغربی مفکرین قانون کے نصب العین کے تعین کا مسئلہ بھی اچھی طرح بیان نہیں
کر سکے۔
لارڈ رائیٹ LORD WRIGHT کہتا ہے:

Law is not an end itself. It is a part of the political system of a nation, and it owes its existence to the objects of the government—In the light of my experience and study, i have reached the conclusion and believe that the first and basic object of law is the search for justice[20]

(قانون فی نفسہٖ مقصد نہیں ہے۔ یہ کسی بھی قسم کے سیاسی نظام کا ایک حصہ
ہوتا ہے۔ اور اس کا وجود حکومت کے مقاصد کا مرہون منت ہوتا ہے میں اپنے
تجربے اور مطالعے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ اور اس امر پر ایمان رکھتا
ہوں کہ قانون کا پہلا اور بنیادی مقصد تلاش عدل ہے)
لطف کا پہلو یہ ہے کہ مغربی فلسفۂ قانون میں عدل کا تصور بھی گوناگوں متضا

ماورائی نظریات اور فلسفیانہ موشگافیوں کی نذر ہو کر رہ گیا ہے۔ اور اب تک معیارِ عدل کا مسئلہ بھی قانون کی طرح طے نہیں ہو سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ چونکہ انسانی زندگی سے متعلق مغربی معیارات و تصورات اخلاقی اقدار، حکومتی نصب العین، تصوراتِ عدل، قانون کے مآخذ اور اصول قانون سازی ہمیشہ سے تغیر پذیر رہے ہیں۔ لہٰذا مغربی فلسفۂ قانون کی ماہیت کے بارے میں ابھی تک کوئی دائمی تصور رواج نہیں پا سکا۔

یہی وجہ ہے کہ مغربی علم قانون تا حال "قانون" کی کوئی متفقہ مستقل اور آفاقی تعریف مہیا کرنے سے قاصر ہے۔

اسلامی تصورِ قانون

(۲)

اس کے برعکس فقہ اسلامی کے تمام مکاتیب کے ہاں آغاز سے آج تک قانون کا تصور متفقہ رہا ہے۔ اس مسئلہ پر کسی قسم کا تضاد یا اختلافِ رائے نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا فقہ اسلامی کی رُو سے قانون کی اصطلاح ایک دائمی اور آفاقی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں۔ فقہ اسلامی کے نظامِ اصطلاحات (TERMINOLGY) میں "LAW" کو حکم یا حکم شرعی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

" الحکم ما ثبت بخطاب الله المتعلق بافعال المکلفین بالاقتضاء او التخییر او الوضع "

قانون وہ ضابطہ کردار ہے جو وحی الٰہی سے منوپاتا ہے۔ جو بعض امور کے کرنے یا نہ کرنے کی طلب یا ان میں اختیار و اباحت یا محض استقرار و اعلان پر مبنی ہوتا ہے۔ حکم قرآن کی صورت میں نازل شدہ وحی الٰہی کے الفاظ کو نہیں بلکہ اس قانونی ضابطے یا قانونی قدر کو کہتے ہیں جو الفاظ وحی سے ثابت (ESTABLISH) ہوتی ہے۔ جس کی مسلم فقہاء نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ ان الفاظ میں وضاحت کر دی ہے۔

ان الحکم المصطلح ما ثبت بالخطاب لاھو"

"حکم" اپنے تکنیکی تناظر میں اس چیز کا نام ہے جو وحی سے ثابت ہوتی ہے۔ الفاظ وحی بذاتِ خود حکم نہیں کہلاتے۔ ایسے محلی نے شرح جمع الجوامع میں، قاضی عضد الدین نے شرح المختصر میں، اسنوی نے شرح المنہاج میں، آمدی نے الاحکام فی اصول الاحکام میں، فاضل قراباغی، علامہ بہاری، علامہ قنوجی اور متعدد جید فقہائے اسی نقطہ نظر کو بیان کیا ہے۔

صرف خدائی احکام کے متن کو ہی کو قانون (حکم) کا درجہ حاصل ہوتا تو پھر تمام قانونی ضابطے رفقہی اقدار جو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع قطعی سے مستنبط ہوتے ہیں، کی نونی حیثیت ختم ہو جاتی لیکن اسلامی فقہ میں قانون کی واحد معیاری تعریف یہ ہے۔ کہ وہ ضابطہ جو بلا واسطہ یا بالواسطہ وحی الٰہی سے نمو پاتا ہے۔ اگر اس کا تعلق انسانی اعمال و عال سے ہو خواہ وہ اقتضاء و طلب کی صورت میں ہو، یا تخییر و اباحت کی صورت میں محض وضع و اعلان کی صورت میں ہو قانون یا حکم کہلاتا ہے لہٰذا قانون" انسانی اعمال و حال سے متعلق وہ مجموعہ ضوابط ہے جس کا ماخذ اولاً قرآن ہے۔ کیونکہ یہ وحی الٰہی کی واضح ور ظاہری صورت ہے۔ ثانیاً سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ یہ وحی الٰہی کی یحیح عملی تعبیر و تفسیر اور باطنی صورت ہے۔ اور ثالثاً اجماع قطعی ہے۔ کیونکہ یہ وحی الٰہی کی اصل تعبیر اور مراد معلوم کرنے کا مستند ترین ذریعہ ہے۔

قانون کے عناصر ترکیبی (INGREDIENTS OF LAW)

اسلامی فقہ کی رو سے قانون چار عناصر کا مجموعہ ہے۔

۱۔ حاکم (LAW GIVER) واضع قانون یا شارع۔

۲۔ حکم (LEGAL VALUE) وہ قانونی ضابطہ یا قدر جو وحی جلی یا خفی سے ماخوذ ہو۔

۳۔ محکوم بہ یا محکوم فیہ۔ (OBJECTIVES OF LAW) مقاصد قانون۔

۴۔ محکوم علیہ (SUBJECTS OF LAW) مخاطبینِ قانون۔

حاکم (LAW GIVER)

اسلام میں شارع یعنی واضع قانون کی حیثیت صرف خدائے لم یزل اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ خدا کی حاکمیت حقیقی اور اصلی ہے۔ جبکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاکمیت خدا کے نائب اور مظہر ہونے کے اعتبار سے نیابتی و تفویضی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے تشریعی اختیارات کے حامل ہونے کی بنا پر ابدالآباد تک انسانیت کے لیے مطاع مطلق ہیں۔ لہٰذا کسی بھی معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی درحقیقت خدا ہی کے اوامر و نواہی کہلاتے ہیں

قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

۱۔ وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تمہیں عطا فرما دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں رک جاؤ[۲۳]

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

۲۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً۔

پس (اے محبوبؐ) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تمام متنازعہ امور میں آپ کو اپنا حاکم نہ مان لیں اور پھر آپ کے صادر کردہ حکم پر ذرا بھر عُسرت محسوس نہ کریں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر لیں[۲۴]

یہی وجہ ہے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعت خداوندی کا درجہ حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے قطع نظر اطاعت خداوندی کا کوئی تصور ہی موجود نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

۳۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی[۲۵]

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم۔

(اے محبوب) آپ فرمادیجیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو (تب) اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا[۲۶]

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس تصور کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

۵ - فقد اقامہ اللہ مقام نفسہ فی امرہ ونھیہ واخبارہ وبیانہ فلایجوز ان یفرق بین اللہ والرسول فی شیء من ھذہ الامور۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر و نواہی اور اخبار و بیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہی مقام پر فائز فرمادیا ہے لہٰذا ان امور میں سے کسی ایک میں بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تفریق کرنا ہرگز جائز نہیں[۲۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاکم و شارع ہونے کی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فلسفہ بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ دو ہستیوں (خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے قرآن ضمیر واحد کیوں استعمال کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

۶ - واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مؤمنین۔

حالانکہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے راضی کریں اگر وہ ایمان والے ہیں[۲۸]

یہاں "ہ" کی ضمیر ایک ذات کو ظاہر کرتی ہے لیکن بیک وقت خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے لیے استعمال ہوئی ہے۔

بمقام حدیبیہ بیعت رضوان کے موقع پر جب صحابہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

دست اقدس پر بیعت کرتے ہوئے آپ کی غیر مشروط اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار اعلان کیا تو قرآن نے اس واقع کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

۷- ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللّٰه ید اللّٰه فوق ایدیھم۔

(اے محبوبؐ) بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے [۲۹]

غور فرمائیے یہاں اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عین اطاعت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو عین اللہ کا ہاتھ قرار دیا جا رہا ہے۔

یہی فلسفہ اس آیت میں بھی دہرایا گیا ہے۔

۸- وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحٰی۔

اور یہ (رسولؐ) اپنی خواہش نفس سے تو کچھ بولتا ہی نہیں ہاں مگر جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ وحی الٰہی ہوتی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے [۳۰]

یہاں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عین حکم الٰہی قرار دیا جا رہا ہے اس لیے کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے مابین کوئی فرق و امتیاز گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

مزید برآں افعال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا اپنے افعال قرار دیتے ہوئے اپنی طرف منسوب کر رہا ہے۔

ارشاد فرمایا گیا:

وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللّٰه رمٰی۔

(اے محبوبؐ) نہیں پھینکی آپؐ نے (مشت خاک) جو آپ نے پھینکی بلکہ وہ اللہ نے پھینکی ہے [۳۱]

یہ حقیقت درج ذیل آیت جس میں الوہیت اور رسالت کے درمیان تعلق کو واضح کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک خدا کے اسم گرامی کے ساتھ متحد کیا گیا ہے، مزید آشکار ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ انّ الّذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی[۳۲]

۱۱۔ ذلک بانھم شاقوا اللہ ورسولہٗ ومن یشاقق اللہ ورسولہٗ فان اللہ شدید العقاب۔

یہ حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے

۱۲۔ ان الّذین یحادون اللہ ورسولہٗ اولٰئک فی الاذلّین۔

بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے[۳۴]

۱۳۔ الم یعلموا انہٗ من یحادد اللہ ورسولہٗ فان لہٗ نار جھنم خالدا فیھا۔

کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی مخالفت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو اس کے لئے آتش جہنم ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا[۳۵]

۱۴ قل الانفال للہ والرسول ــــ واطیعوا اللہ ورسولہٗ ان کنتم مؤمنین۔

آپ فرمائیے غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں ــــ اور اطاعت کرو

اور اس رسول کی اگر تم مومن ہو۔[۳۶]

۱۵۔ قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکفرین۔

آپ فرمادیجئے اطاعت کرو اللہ اور رسول کی پھر اگر وہ اطاعت سے منہ پھیرلیں
تو یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔[۳۷]

۱۶۔ یا ایھا الذین امنوا استجیبوا للہ والرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔

اے ایمان والو لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ تمہیں بلائے
اس امر کی طرف جو تمہیں زندہ کرتا ہے۔[۳۸]

یہاں بھی خدا اور اس کے رسول کے لئے صیغہ واحد استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور رسول کی پکار، اعلان، حکم اور امر ایک دوسرے سے مختلف نہ سمجھے جائیں بلکہ دونوں کو ایک ہی چیز تصور کیا جائے۔

۱۷۔ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول۔

پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات پر تنازعہ پیدا ہو جائے تو اسے اللہ
اور اس کے رسول (کے فرمان) کی طرف لوٹا دو۔[۳۹]

۱۸۔ من یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما۔

اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ اور اس کے رسول کا پس وہی شخص عظیم کامیابی
سے ہمکنار ہوتا ہے۔[۴۰]

۱۹۔ ما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا
ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ
فقد ضل ضلالا مبینا۔

نہ کسی مومن مرد کو یہ حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور

اس کا رسولؐ کسی معاملہ میں فیصلہ فرمادیں تو پھر انہیں اپنے اس معاملے میں کوئی اختیار رہا اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی پس وہ صریح گمراہی میں گرفتار ہے۔

مذکورہ بالا تمام آیات قرآنی اس حقیقت کا واشگاف اعلان کرتی ہیں کہ قانون سازی کا حق صرف خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور ان دونوں کے مابین کوئی فرق و امتیاز یا اختلاف و تناقض ہرگز نہیں۔ قانون سازی کا حق حقیقتاً ایک ہی حق ہے جو خدا کو ہی حاصل ہے مگر اسے ہی اس کا رسولؐ سیاسی آئینی اور تشریعی و قانونی تقاضوں کے تحت نیابتی حیثیت سے بروئے کار لاتا ہے اس اعتبار سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی پوری امت مسلمہ کے لئے ہر اسلامی ریاست کے لئے مقتدرِ اعلیٰ (SOVEREIGN) کی حیثیت رکھتے ہیں اور تمام مسلم حکمران آپؐ کے خلفاء ہیں جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے بیان کیا ہے۔

۲۰۔ انہ نیابۃ عن صاحب الشریعۃ فی حفظ الدین و سیاسۃ الدنیا۔

خلافت دراصل صاحب شریعت یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا ایسا منصب ہے جس کا مقصد دین کا تحفظ اور امور دنیا کو احسن طریقے سے چلانا ہے[۴۲]

موصوف مزید فرماتے ہیں:

و امّا تسمیتہ خلیفۃً فلکونہ یخلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی امتہ۔

خلیفہ کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ وہ اُمّت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوتا ہے[۴۳]

۲۔ حکم (LEGAL VALUE)

حکم وہ قانونی ضابطہ یا قانونی قدر ہے جو وحی الٰہی سے بلاواسطہ یا بالواسطہ ماخوذ ہو۔ اکثر علماء کے نزدیک قرآن مجید میں پانچ سو[۵۰۰] آیات ایسی ہیں جو قانونی اقدار کے صریح بیان پر مشتمل ہیں انہیں "آیات الاحکام" کہا جاتا ہے اسی طرح کم و بیش تین ہزار[۳۰۰۰] احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اسی نوعیت کی ہیں جنہیں "احادیث الاحکام" کہا جاتا ہے۔ یہ تعداد صریح احکام کی ہے ورنہ مذکورہ بالا پانچ سو آیات کے علاوہ قرآن حکیم میں دو ہزار[۲۰۰۰] آیات ایسی ہیں جو اوامر و نواہی پر مشتمل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن حکیم کی یہ آیات جو صریحاً یا کنایتہً اپنے اندر قانونی مواد رکھتی ہیں وہ اڑھائی ہزار[۲۵۰۰] کے قریب ہیں۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ جن کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے جو بلاواسطہ یا بالواسطہ اسلامی قانون کی تدوین کا مواد فراہم کرتی ہیں۔

تقسیم احکام اسلامی فقہ کی رُو سے حکم کی دو اقسام ہیں:

۱۔ حکم تکلیفی (PRIMARY LAW)

۲۔ حکم وضعی (DECLARATORY LAW)

۱۔ حکم تکلیفی ؛ (PRIMARY LAW)

حکم تکلیفی کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

الحکم التکلیفی ھو ما اقتضٰی طلب فعل من المکلف

او کفہ عن فعل او تخییرہٗ۔

حکم تکلیفی وہ حکم ہوتا ہے جس میں کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی طلب یا اختیار واباحت پائی جائے[۴۳]

گویا طلب واقتضاء اور تخییر واباحت کی پہلی دو صورتیں حکم تکلیفی کی تعریف میں آجاتی ہیں اور استقرار واعلان کی آخری صورت حکم وضعی کی تعریف ہیں۔

طلب (DEMAND)

و۔ حکم تکلیفی کی ماہیت کو سمجھنے کیلئے جاننا چاہیے کہ طلب دو طرح کی ہوتی ہے۔ مثبت یا منفی

مثبت طلب سے مراد کسی کام کے کیے جانے کا تقاضا ہے اسی کو امر (Act of Commission) بھی کہتے ہیں۔

منفی طلب سے مراد کسی کام کے نہ کیے جانے کا تقاضا ہے اسی کو نہی (Act of Omission) بھی کہتے ہیں۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ادائے امانت شرعی حقوق و فرائض اور اس قسم کے دیگر احکام اور اسی طرح امتناعی قوانین مثلاً قتل، زنا، شراب نوشی اور چوری وغیرہ کی حرمت یہ تمام قوانین تکلیفی احکام کے زمرے میں آتے ہیں۔

(ب) تخییر واباحت (INDIFFERENCE & DISCRETION) وہ تمام قوانین جو انسان کو دو متبادل صورتوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ تخییری کہلاتے ہیں۔ انہیں "تخییر" اس وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں انسان کو مکمل آزادی اور اختیار حاصل ہوتا ہے۔

شدتِ طلب اور اباحت کی بناء پر احکام تکلیفی کے گیارہ درجات ہیں:

۱۔ فرض (OBLIGATORY)

۲۔ واجب (IMPERATIVE)

۳۔ سنّت مؤکدہ (MANDATORY RECOMMENDATION)

۴۔ سنّت غیر مؤکدہ (DIRECTORY RECOMMENDATION)

۵۔ مستحب (COMMENDABLE)

۶۔ حرام (FORBIDDEN)

۷۔ مکروہ تحریمی (CONDEMNED)

۸۔ اساءت (DISAPPROVED)

۹۔ مکروہ تنزیہی (IMPROPER)

۱۰۔ خلاف اولیٰ (UNCOMMEND ABLE)

۱۱۔ جائز ومباح (INDIFFERENT, PERMISSIBLE OR DISCRETIONARY)

(۲) حکم وضعی (DECLARATORY LAW)

حکم وضعی کی تعریف درج ذیل ہے:

الحکم الوضعی هو ما اقتضی جعل شیء سببًا لشیء او شرطًا له او مانعًا له۔

حکم وضعی وہ حکم ہے جس میں کسی ایک چیز کو دوسری چیز کے سبب شرط یا مانع کے طور پر بیان کیا جاتا ہے[۴۵]

اس کی مزید وضاحت ان الفاظ سے ہوتی ہے:

الحکم الوضعی خطاب الله المتعلق بفعل المکلف بغیر اقتضاء وتخییر الذی وضعه الله لبیان تعلق شیء بشیء ای بالسببية

او بالشرطية او بالمانعية۔

حکم وضعی وہ حکم ہے جس میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی تو کوئی طلب (Demand) پائی جاتی ہے اور نہ اختیار (Discretion) اسے باری تعالیٰ دو چیزوں کے درمیان تعلق کو واضح کرنے کے لئے وضع فرماتا ہے خواہ وہ تعلق سبب کی نوعیت کا ہو۔ یا شرط منع کی نوعیت کا۔ فقہاء نے شرعی وقانونی تعلق کو چار اقسام پر منحصر قرار دیا ہے۔

۱۔ سبب (Reason)

۲۔ شرط (Condition)

۳۔ مانع (Intervening Factor)

۴۔ رکن (Constituting Element)

درج ذیل تمثیلات کے ذریعے ان کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے:

(ا) چوری کے ارتکاب پر قطع ید کی سزا: چوری فی نفسہ فعل حرام ہے۔[۲۶] جس سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے یہ حکم تکلیفی ہے مگر اس پر قطع ید کی سزا حکم وضعی ہے کیونکہ سزا صرف اسی وقت دی جاتی ہے۔ جب چوری کے جرم کا ارتکاب ہوا ہو۔ چونکہ چوری قطع ید کے حکم کا سبب ہے۔ بنا بریں یہ سزا "حکم وضعی" ہے۔

(ii) زنا کے لئے رجم یا سو کوڑوں کی سزا: حرمت زنا فی نفسہ تکلیفی حکم ہے[۲۸،۲۷] کیونکہ یہ ممنوع ہے لیکن رجم یا کوڑوں کی سزا چونکہ ارتکاب جرم پر ہی دی جاتی ہے اور وضعی حکم ہے لہٰذا بنیادی قوانین کی خلاف ورزی پر دی جانے والی تمام سزائیں حکم وضعی کے زمرے میں آئیں گی۔

(iii) **نصاب شہادت**: قرآن کی رُو سے جرم زنا حد کے لئے صرف اسی وقت ثابت ہوتا ہے جب اس پر چار گواہ موجود ہوں۔[۴۹]

چونکہ اجراءِ حد کے لئے نصاب شہادت کی موجودگی ایک لازمی شرط ہے۔ اس لئے یہ حکم وضعی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مطلوبہ شہادت کی عدم موجودگی میں حد کا حکم جاری نہیں ہوگا۔

(iv) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا میراث لقاتل

قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا

چونکہ اس قانون میں "اقدام قتل" کو استحقاق وراثت میں مانع قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ وضعی قانون ہے تکلیفی نہیں۔[۵۰]

(v) قرض فرضیت زکوٰۃ میں مانع ہے اس وجہ سے یہ "وضعی قانون" ہے کیونکہ قرض کی موجودگی میں کسی شخص کو صاحب نصاب تصور نہیں کیا جاتا۔[۵۱]

تقسیم مزید

اسلامی فقہ احکام کو مزید ان اقسام میں تقسیم کرتی ہے:

(i) عزیمت: یہ معیاری حقیقی اور صریح قانون ہے۔ مثلاً حکم وضو۔

(ii) رخصت: یہ رعایتی اور متبادل قانون ہے مثلاً تیمم۔

احکام کی اور بھی کئی تقسیمات ہیں۔ مگر انہیں بخوف طوالت حذف کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اصل تصور سمجھانے کے لئے اس قدر بیان کافی ہے۔

۲۔ محکوم فیہ / محکوم بہ (OBJECTS OF LAW)

محکوم فیہ / محکوم بہ سے مراد وہ مقصد ہے جس کے لئے احکام نازل ہوتے ہیں۔

اسلامی قوانین بنی نوع انسان کو درج ذیل مقاصد عطا کرتے ہیں جن کے مطابق لوگ زندگی بسر کرنے پر مامور ہوتے ہیں یہی ان کی آزادی فکر و عمل کی حدود متعین کرتے ہیں۔

ا۔ افعال (ACTS)

ب۔ حقوق (RIGHTS)

ج۔ فرائض و واجبات (OBLIGATIONS)

افعال

اسلامی فقہ کی رو سے افعال کی تین اقسام ہیں:

(i) افعال ممتنع بالذات والعادۃ (Acts impossible in nature and practice)

(ii) افعال ممکن بالذات ممتنع بالعادۃ (Acts possible in nature but immpossible in practice)

(iii) افعال ممکن بالذات والعادۃ (Acts possible in nature and practice)

فعل کی پہلی دو اقسام میں اسلامی قانون انسانوں کو جوابدہی اور قانونی مسئولیت سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے کیونکہ یہ افعال انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

لا یکلف اللہ نفس إلّا وسعھا۔

اللہ کسی جان پر اس کی وسعت (استعداد) سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا[۵]

اس صریح اعلان کے باوجود قرآن نے انسانوں کو ان الفاظ میں دعا کی تعلیم دی ہے۔

ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ۔

اے ہمارے رب جس بوجھ کی ہم طاقت نہیں رکھتے وہ ہم پر نہ ڈال[۶]

چونکہ پہلی دو قسموں کے افعال کا وجوب انسانوں کے لئے تکلیف اور عسرت کا باعث ہو سکتا تھا اس لئے انہیں اسلامی قانون کے مقاصد سے خارج رکھا گیا صرف تیسری قسم کو اسلام میں قانون کے مقصد کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

جس کا معنی یہ ہوا کہ انسانوں پر صرف ان افعال کی بجا آوری کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جن کا صدور اصلاً اور عملاً ان کے لئے ممکن ہوتا ہے۔

مسلمان فقہاء نے ان افعال کو دو اقسام میں بیان کیا ہے۔

۱۔ افعال حسی (NATURAL ACTS)

۲۔ افعال شرعی (JURISTIC ACTS)

انسان سے صادر ہونے والے تمام فطری افعال طبعی یا ذہنی افعال کہلاتے ہیں جنہیں بالترتیب افعال الجوارح اور افعال القلب کہا جاتا ہے وہ افعال جو اعضائے جسمانی کی حرکت سے عبارت ہوں مثلاً بولنا کھانا پینا چلنا پھرنا وغیرہ جو قابلِ ادراک ہوتے ہیں۔ طبعی افعال کہلاتے ہیں۔ جب کہ ذہنی افعال نیت خواہش وارادہ، اعتقاد، پسند ناپسند وغیرہ کی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ یہ نا قابلِ ادراک ہوتے ہیں۔ ذہنی افعال جب تک کہ طبعی افعال (PHYSICAL ACTS) کا روپ نہ دھارلیں قانون کا موضوع (SUBJECT) نہیں بن سکتے یہاں یہ امر ظاہر ہے کہ متعدد فطری افعال کی باہم ترکیب اور امتزاج سے قانونی یا شرعی فعل وجود پاتا ہے مثلاً فعل عبادت معاہدہ نکاح تجارتی لین دین، قتل، چوری، وغیرہ ورنہ ایک فطری فعل اپنی ذات میں کوئی قانونی اہمیت نہیں رکھتا۔

طبعی افعال تقسیم طبعی افعال مزید دو اقسام پر مشتمل ہیں،

۱۔ قول (ACTS OF SPEACH)

۲۔ فعل (ACTS OF CONDUCT)

یہ افعال صرف اس صورت میں قانونی حیثیت سے متصف اور قابلِ گرفت و مواخذہ ہوتے ہیں جب رضا کارانہ طور پر صادر ہوئے ہوں۔ اس لئے کہ غیر رضا کارانہ افعال (INVOLUNTARY ACTS) فقہ کا موضوع نہیں بن سکتے

اسلامی قانون کے نظام اصطلاحات میں رضا کارانہ افعال کو "تصرفات" کہتے ہیں۔

شرعی افعال کی تقسیم

شرعی نظام کی پھر تین اقسام ہیں:

۱۔ انشاء (ORIGINATING ACT)

۲۔ اخبار INFORMATORY ACT)

۳۔ اعتقاد (ACT OF FAITH)

(۱) انشاءات وہ افعال ہیں، جن پر قانونی نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر بیع و فروخت اور نکاح و طلاق وغیرہ۔

(۲) اخبارات وہ افعال ہیں۔ جو کسی واقع کے وجود و عدم وجود کی اطلاع پر دلالت کرتے ہیں مثلاً گواہی اعتراف یا بیان وغیرہ۔ ان پر غلط یا صحیح ہونے کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

(۳) اعتقادات وہ افعال ہیں، جن کا تعلق انسان کے ذہن اور اس کی فکر سے ہے۔ یہ قانون کے موضوع سے خارج اور "ایمانیات" کے موضوع میں داخل ہیں۔

انشاء کی مزید دو اقسام ہیں:

(۱) افعال مثبتہ (CREATIVE ACT.)

(۲) افعال مسقطہ (EXTINGUISHING ACT.)

افعال مثبتہ بعض حقوق و فرائض کو جنم دیتے ہیں، مثلاً بیع و ٹھیکہ ہبہ

اور نکاح وغیرہ سے بعض قانونی حقوق اور ذمہ داریاں جنم لیتی ہیں۔

(۲) افعال مسقط، وہ افعال ہیں، جو پہلے سے موجودہ حقوق و فرائض کی تنسیخ کرتے ہیں ۵۵

انشائیہ افعال بعض اوقات قابلِ تنسیخ ہوتے ہیں اور بعض اوقات ناقابلِ تنسیخ

قابلِ تنسیخ وہ افعال ہوتے ہیں۔ جن کے اثرات و نتائج کو کالعدم یا زائل کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ ناقابلِ تنسیخ افعال کے قانونی اثرات و نتائج کو زائل نہیں کیا جاسکتا۔

"طلاق رجعی" پہلی نوعیت کے افعال کی مثال ہے جبکہ "طلاق مغلظہ" دوسری نوعیت کے افعال کی۔

(۱) وہ انشائیہ افعال جو فریقین کے مابین معاہدانہ نوعیت کے تعلقات کو جنم دیتے ہیں "عقودات" کہلاتے ہیں۔

(۲) اور جو فریقین کے مابین معاہدانہ نوعیت کے تعلقات کی تنسیخ کرتے ہیں "منسوخات" کہلاتے ہیں

شرعی وجوب کی حیثیت سے افعال کی مزید دو قسمیں ہیں:

(i) وہ افعال جن کی بجاآوری ہر مکلف کے لئے ضروری ہے۔

(ii) وہ افعال جن کی بعض افراد کی طرف سے بجاآوری دوسروں کی طرف سے بھی متصور ہو جاتی ہے۔

پہلی قسم کو "فرض عین اور سنت عین" کہتے ہیں۔ جبکہ دوسری قسم کو "فرض کفایہ" اور "سنت کفایہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

شرعی فعل کے اجزائے ترکیبی (CONSTITUTIONAL ELEMENTS OF A JURISTIC ACT)

فعل کے اجزائے ترکیبی دو ہیں :

۱۔ ارکان (ESSENTIAL INGREDIENTS)

۲۔ واجبات وشرائط (Necessary conditions)

(أ) ارکان (ESSENTIAL INGREDIENTS کسی فعل کے وہ بنیادی اور لابدی اجزاء ہوتے ہیں۔ جن سے وہ اصلاً ترکیب پاتا ہے۔ اوران میں سے کسی ایک کی غیر موجودگی اس فعل کو بالکل کالعدم اور غیر مؤثر کردیتی ہے

واجبات وشرائط (NECESSARY CONDITIONS) کسی فعل کے وہ ضروری اجزاء ہوتے ہیں۔ جن سے اس فعل کی قانونی حیثیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی عنصر کی غیر موجودگی سے وہ فعل ناقص اور نامکمل تو رہ جاتا ہے لیکن بالکل کالعدم نہیں ہوتا۔

اس لحاظ سے شرعی افعال کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں :

۱۔ افعال صحیح (VALID ACTS)

۲۔ افعال باطل (VOID ACTS)

۳۔ افعال فاسد (IRREGULAR ACTS)

قانوناً کامل اور درست افعال کو افعال صحیح کہا جاتا ہے۔ تمام ضروری شرائط اور اجزائے ترکیبی پر محیط ہونے کی وجہ سے ان پر جملہ قانونی نتائج مترتب ہوتے ہیں۔

باطل افعال ایسے افعال کو کہتے ہیں جو اپنی صحت ومشروعیت کے بنیادی تقاضے ہی پورے نہیں کرتے۔ کسی ضروری عنصر کے فقدان یا کسی مستقل قانونی عارضہ کی وجہ سے وہ باطل قرار پا

- افعال فاسد کسی لازمی شرط کی عدم موجودگی یا کسی عارضی مانع کی بنا ر پر ناقص رہ جاتے ہیں چنانچہ مطلوبہ شرط کے پورا کرنے یا عارضی مانع کو دور کر دینے سے ان کی صحت مکمل ہو جاتی ہے۔ جبکہ افعال باطل ایسے کسی عمل سے کامل نہیں قرار پا سکتے مثلاً نماز میں کسی واجب کی کمی بیشی ہو جائے تو سجدہ سہو سے اس کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ مگر کوئی رکن رہ جائے تو نماز سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔

یہ تقسیم فقہ حنفی کی رو سے ہے۔ جبکہ بعض دیگر فقہی مذاہب افعال کی صرف مدات (افعال صحیح اور افعال باطل) کے قائل ہیں۔

معاہدانہ نوعیت کے افعال کو بھی فقہاء نے درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا ہے:

(i) منعقد (CONTR… …ED)

(ii) غیر منعقد (UN… …CTED)

(i) نافذ (AUTHORIZED)

(ii) موقوف (UN-AUTHORIZED)

اور

(i) لازم (NON-BINDING)

(ii) غیر لازم (BINDING)

چنانچہ انسانی اعمال میں آزادی کی حدود کا تعین اور ان کے قانونی نتائج کی نشاندہی وہ پہلا مقصد ہے جس کے لئے باری تعالیٰ نے قانون شریعت نازل فرمایا ہے۔ اسلامی قانون کا اولین مقصد اعمال کی مشروعیت اور ممنوعیت کو بیان

کرنا ہے یعنی اعمال کے بارے میں یہ اذن مہیا کرنا ہے کہ وہ کئے جائے یا نہ کئے جائیں۔ مزید برآں ان کی شرائط جواز، دائرہ ہائے عمل، ماہیت، نتائج و عواقب اور حدود و قیود کا بیان ہے تاکہ ان کی روشنی میں انسان اپنی عملی زندگی کی حدود صحت و عدم صحت کو جان سکے۔

اسلامی قانون کا دوسرا مقصد۔ حقوق (SECOND OBJECT OF LAW) (THE RIGHTS)

فقہ اسلامی کی رو سے حقوق کی چار اقسام ہیں:

(i) حقوق اللہ (THE RIGHTS OF GOD)

(ii) حقوق العباد (PURE RIGHTS OF PEOPLES)

(iii) الجمع بین الحقین مع غلبۃ الاول

(Combination of both with predominance of the first)

(iv) الجمع بین الحقین مع غلبۃ الثانی

(Combination of both with predominance of the second)

حقوق اللہ

حقوق کی قسم اول حقوق اللہ کو Rights in rem یا Public rights کہتے ہیں۔ یہ معاشرے کے وہ حقوق ہیں جو بنی نوع انسان کی عمومی منفعت سے متعلق ہیں۔ ان حقوق میں انفرادیت کا کوئی عنصر نہیں پایا جاتا کیونکہ ان کا لزوم کسی خاص فرد کی منفعت کے لئے نہیں ہوتا۔ انہیں عوامی یا معاشرتی حقوق اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی تنفیذ، تحفظ اور خلاف ورزی پر سزا کا اجراء معاشرے کی مجموعی ذمہ داری تصور ہوتا ہے۔ انہیں حقوق اللہ اس لئے نہیں کہا